عظمتِ محنت

قرآن وحدیث کی روشنی میں

ڈاکٹر محمود الحسن عارف پنجاب یونیورسٹی۔

انسان نے جب سے آسمان کی بلندیوں سے اتر کر، زمین کی وسعتوں کو اپنا عارضی مسکن بنایا ہے، اسی وقت سے محنت ومشقت، اس کی زندگی کا لازمی عنصر رہی ہے۔ انسان کے اسی جذبہ محنت نے زمین کے صحراؤں میں یہ باغ وبہار، یہ حسن ورعنائی یہ صباحت وملاحت اور حسنِ ترتیب وحسن تنظیم پیدا کیا ہے، اسی محنت ومشقت نے انسان کے لیے تسخیر کائنات کی کٹھن اور مشکل راہوں کو آسان بنایا ہے۔ اسی کے ذریعے اس نے زمین کا سینہ چاک کر کے اس میں پھل پھول اگائے، دریاؤں اور طوفان کے رخ تبدیل کیے، کائنات کی مخفی قوتوں اور پوشیدہ خزانوں تک رسائی حاصل کی اور زندگی میں آسائش وآرائش اور رعنائی وزیبائی پیدا کی، الغرض انسانی تاریخ درحقیقت انسان کی جدوجہد اور عزم واستقلال کی تاریخ ہے۔ بقول شاعر مشرق علامہ اقبالؒ:

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ　　جوئے شیر وتیشہ وسنگ گراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تسخیر سے　　اگرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی۔

اسلام ایک دینِ فطرت ہے، اس لیے اس نے نہ صرف جدوجہد اور محنت ومشقت کو انسانی زندگی کے رواں دواں رہنے اور اس کی بقا اور سلامت کے لیے لازمی قرار دیا ہے بلکہ اس نے محنت ومشقت اور ,,عمل پیہم،، کی بہت زیادہ فضیلت بیان فرمائی ہے، جس کی روشنی میں ,,محنت،، ایک عیب نہیں، بلکہ کسب کمال کا ایک اہم اور وقیع ذریعہ نظر آتی ہے۔ ذیل میں ہم اسلام میں عظمت محنت کے موضوع پر قرآن، حدیث اور تاریخ اسلام کے حوالے سے مختصر سی بحث کریں گے، تاکہ اسلام میں، اس موضوع کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ ہوسکے۔

قرآن حکیم اور محنت: قرآن حکیم میں، اگرچہ مروجہ مفہوم میں ہمیں ,,محنت،، کا ذکر نہیں ملتا، تاہم اشارات اور کنایات میں اتنا کچھ کہہ دیا گیا ہے، جس سے دور حاضر کے تمام مسائل ومعاملات کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید میں انسانی زندگی کی ہر جزا وسزا کی ,,اساس،، محنت وعمل پر

استوار کی گئی ہے۔کسی جگہ فرمایا: **لھا ما کسبت وعلیھا ما کتسبت** ۔ترجمہ:انسان اچھے کام کریگا،تو اس کواس کا فائدہ پہنچے گا اور برے کام کرے گا،تو نقصان اٹھائے گا۔کسی مقام پر اعلان فرمایا: **کل نفس بما کسبت رھینہ** ۔ترجمہ:ہر شخص اپنے اعمال کا گروی ہے۔اور کسی موقع پر بطور اصول کے وضاحت فرمائی: **فمن یعمل مثقا ل ذرۃ خیرا یرہ ۔ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ** ۔ترجمہ:تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی،وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی،وہ اسے دیکھ لے گا۔ان آیات سے اصولی طور پر زندگی کا جو نقشہ سامنے آتا ہے،اس کی تمام تر اساس انسان کے اپنے عمل اور انسان کی اپنی محنت پر ہے۔اس نقشہ میں آبائی افتخار یا قومی و نسلی عصبیت کا کوئی خانہ موجود نہیں ہے،قرآن مجید نے قبائلی و خاندانی عصبیت کی تمام عمارت یہ کہہ کر مسمار کردی ہے۔کہ: **یا یھا النا س انا خلقنا کم من ذکر و انثی وجعلنا کم شعو با و قبا ئل لتعا رفو ان اکر مکم عندا للہ اتقا کم** ترجمہ:اے لوگو ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے،تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں سے زیادہ باعزت وہ ہے۔جو زیادہ پرہیز گار رہے ۔قرآن حکیم نے اس سے بڑھ کر یہ قدم بھی اٹھایا،کہ اس نے لوگوں کو حکم دیا۔کہ وہ ایک دوسرے کا ۔ان کی سماجی یا معاشرتی حیثیت میں کم رتبی کی بنا پر۔مذاق نہ اڑائے اور ایک دوسرے کو گھٹیا ناموں سے ہرگز نہ پکاریں اور نہ ہی ایک دوسرے کو ان کی سماجی کم مائگی یا ان کے پیشے کی فروتنی کا طعنہ دیں فرمایا۔ **یا ایھا الذین آمنو ا لا یسخر قو م من قو م عسی ان یکو نوا خیرا منھم ولا نسا ء من نسا ء عسی ان یکن خیر ا منھن ۔بئس الا سم الفسو ق بعد الا یمان ومن لم یتب فاو لئک ھم الظلمون** ۔ ترجمہ:اے اہل ایمان کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ بہتر ہوں اور نہ عورتیں س عورتوں سے تمسخر کریں،ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو ایمان لانے کے بعد برا نام (رکھنا) گناہ ہے اور جو لوگ توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔اسی لیے جو لوگ عہد نبوی میں اس حکم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے تھے اور جنہوں نے ایک محنت کش صحابی کی محنت شاقہ سے کی ہوئی کمائی اور اس سے کیے گئے صدقہ کو حقیر قرار دیا تھا،انھیں قرآن مجید میں زمرہ منافقین میں شمار کرکے تنبیہ کی گئی: **الذین یلمزون المطو عین من المؤ منین فی**

☆اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام☆جب حلال وحرام جمع ہوجائیں تو حرام غالب ہوگا☆

الصدقت والذین لا یجدون الا جھدھم فیسخرون منھم سخر اللہ منھم ولھم عذا ب الیم ۔ترجمہ: جو (ذی استطاعت) مسلمان دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور جو (بیچارے غریب) صرف اتنا ہی کما سکتے ہیں جتنی مزدوری کرتے (اور اس تھوڑی سی کمائی سے بھی خرچ کرتے ہیں) ان پر جو منافق طعن کرتے اور ہنستے ہیں خدا ان سے ہنستا ہے اور ان کے لیے تکلیف دینے والا عذاب (تیار) ہے۔علاوہ ازیں قرآن مجید میں متعدد انبیاء علیہم السلام کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔کہ وہ محنت اور مشقت سے اپنے لیے روزی کماتے تھے،مثال کے طور پر حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا:**والنا لہ الحدید ان اعمل سبغت و قدر فی السرد واعملو صالحا** ۔ترجمہ:اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا۔کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو اور نیک عمل کرو۔ایک اور مقام پر ان کے متعلق فرمایا:**وعلمنہ صنعتہ لبو س لکم لتحصنکم من با سکم** ۔ترجمہ:اور ہم نے تمہارے لیے ان کو ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھایا تاکہ تم کو لڑائی کے ضرر سے بچائے۔اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام کے متعلق مذکور ہے،کہ انہوں نے آٹھ یا دس سال تک اپنے سسر حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرائیں۔جبکہ روایات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی محنت و مشقت اور حصول رزق کے لیے جدوجہد کا ذکر ملتا ہے۔آسائش محنت کے ساتھ مشروط ہے۔اسی بنا پر قرآن مجید نے انسانی راحت و آسائش کو محنت اور مشقت کے ساتھ مشروط کر دیا ہے،اسی لیے دو مرتبہ زور دے کر فرمایا:**فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا** ۔ترجمہ:بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے (اور) بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔گویا زندگی کی تمام آسائشیں،کائنات کی تمام رونقیں اور حیات ارضی کی تمام رنگینیاں اسی انسانی محنت و مشقت کا صلہ ہیں۔اگر انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر محنت اور ریاضت سے ہاتھ اٹھالے اور سستی و کاہلی کو اپنا شعار بنالے،تو اس کے نتیجے میں زندگی کی تمام ہماہمی ماند پڑ جائے۔دنیا میں حسن وزیبائی کی جگہ،بدنمائی اور گندگی اور غلاظت آن لے اور دیکھتے ہی دیکھتے زندگی کا رنگ ہی مختلف ہو جائے۔وہ اس لیے کہ اس زندگی کا نظام،،اپنی مدد آپ،،کے اصول پر مبنی ہے،کوئی پھول اپنے آپ پیدا نہیں ہوتا،کوئی پھل اپنے آپ پک کر انسان کے منہ میں نہیں آجاتا ،کوئی کپڑا ازخود اگ کر اور بن کر،انسانی جسم پر چست نہیں ہو جاتا۔کوئی لقمہ آپ تیار ہو کر پیٹ میں

داخل نہیں ہو جاتا، الغرض زندگی کی کوئی بھلائی اور اچھائی بھی اس وقت تک وقوع میں نہیں آتی، جب تک کہ اس کے لیے، خدا کے دیے ہوئے دو ہاتھ، دو پاؤں، دو آنکھیں اور جسم کے باقی اعضا حرکت میں آ کر باقاعدہ محنت نہیں کرتے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں واشگاف لفظوں میں یہ کہہ دیا گیا ہے: **ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما با انفسھم**۔ ترجمہ: خدا اس حالت کو جو کسی قوم کو حاصل ہو اس وقت تک نہیں بدلتا۔ جب تک کہ وہ (قوم) اپنی حالت کو نہ بدلے۔ پھر قرآن مجید نے ہمیں کائنات اور اس کے مظاہر پر، جو غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ وہ بھی اسی لیے ہے، کہ ہم اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں، کہ زندگی کی اساس انسانی محنت وریاضت پر استوار ہے۔ انسان اگر غور کرے، تو اس کی آنکھیں کھول دینے کے لیے یہ بات کافی ہے۔ کہ وہ کھانے کا جو لقمہ شکم سیر ہونے کے لیے اپنے منہ میں ڈال رہا ہے، اس لقمہ کو یہاں تک پہنچانے میں کن کن لوگوں کی محنت وریاضت کا حصہ ہے: اس لقمہ کو زمین سے اگانے کے لیے گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں ہل چلایا گیا اور بیج ڈالا گیا۔ اس بیج کو بارآور ہونے اور پھلنے پھولنے کے لیے، اس کے آس پاس موجود جڑی بوٹیوں کو تلف کیا گیا، پھر وقت پر اسے پانی، کھاد اور دیگر اشیا مہیا کی گئیں، پھر قدرت نے اپنے خزانوں سے اس کے لیے ہوائیں چلائیں، موسم کے مطابق گرمی پہنچاتے اور سردی سے بچانے کے لیے شمسی توانائی کا اہتمام فرمایا۔ پھر اس کے پک جانے کے بعد محنت کش ہاتھوں نے اسے کاٹا، اسے بوریوں میں بھرا، چکیوں میں لے جا کر، پیسا۔ پھر یہ آٹا گوندھا گیا اور اس کی روٹی بنائی گئی، تب کہیں جا کر انسان کو کھانے کا ایک لقمہ میسر آیا۔ ان تمام مراحل میں سے اگر کوئی ایک مرحلہ بھی ناتمام اور تشنہ رہ جائے یا قدرت ہی انسانی محنت وریاضت کی پذیرائی کے لیے اپنے قدم آگے نہ بڑھائے تو جانتے ہو۔ اس کا نتیجہ اور انجام کیا ہوتا، یقیناً کوئی خطرناک قسم کا قحط پیدا ہو جاتا، یا پھر اناج کی شدید کمی انسانوں کو فاقوں سے مرنے پر مجبور کر دیتی۔ الغرض ہوش مند آنکھوں اور دانا دل کے لیے کائنات کے اوراق میں بے شمار اسباق پوشیدہ ہیں۔ کائنات کا ایک ایک صفحہ انسان کو محنت وریاضت کی اہمیت اور اس کی عظمت کا مضمون ذہن نشین کراتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں محنت کے ذریعے،، روزی کمانے،، کو فضل اللہ،، (اللہ کے فضل) سے تعبیر کیا گیا ہے اور ہر مسلمان کو اس کا حکم دیا گیا ہے، سورۃ الجمعہ میں ہے: **فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ**۔ ترجمہ: پھر جب نماز (جمعہ) ہو جائے، تو اپنی اپنی راہ لو اور

ماجاز لعذر بطل بزوالہ ☆ جس کا استعمال عذر کی وجہ سے جائز ہو عذر ختم ہوتے ہی جواز بھی ختم ہو جائے گا۔

اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو۔دوسری جگہ حصول رزق کے لیے اٹھائی جانے والی محنت ومشقت کو صلوۃ الیل (رات کی نماز) میں تخفیف کی ایک وجہ کے طور پر قبول کرتے ہوئے، ارشاد فرمایا: **علم ان سیکون منکم مرضی وآخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ** ۔ترجمہ: اس (اللہ) نے جانا۔کہ تم میں سے بعض بیمار بھی ہوتے ہیں اور بعض خدا کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں۔یوں گویا اسلام کی نظروں میں، جو شخص حلال طریقے سے روزی کمانے کے لیے محنت کرتا ہے، اس کے لیے مشقت اٹھاتا ہے، اسکی تلاش میں ملکوں ملکوں سفر کرتا ہے، اس کی جستجو میں راتوں کو جاگتا اور دنوں کو آرام کرتا ہے، اگر یہ سب کچھ ایک حد تک ہو، تو نہ صرف قابل احترام ہے۔بلکہ قرآن کی نظروں میں وہ،، فضل الٰہی ,,اور رحمت ایزدی کا مستحق بھی ہے۔

طبقات انسانی میں تفاوت اور اس کی حکمت:

یہاں مذہبی حوالے سے ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے۔کہ خداوند تعالی نے آخر تمام انسانوں کو یکساں بنا کر کیوں پیدا نہیں کیا اور تمام اولاد آدم کو ایک جیسے وسائل معیشت کیوں عطا نہیں فرمائے؟ آخر کیا وجہ ہے۔کہ ایک شخص نان شبینہ کے لیے ترستا ہے۔جبکہ دوسرا شخص اپنی دولت کا کوئی حساب کتاب ہی نہیں جانتا۔ایک محنت کش ہے، دوسرا سرمایہ دار، ایک غریب ہے، دوسرا مالدار، اس انسانی تفاوت میں آخر کیا حکمت کارفرما ہے؟ قرآن مجید میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے، ہماری توجہ ایک اہم تمدنی پہلو کی جانب مبذول کرائی گئی ہے، فرمایا: **ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشاء** ۔ترجمہ: اور اگر خدا اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو زمین میں۔لوگ فساد کرنے لگتے، لیکن وہ جو چیز چاہتا ہے۔اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے۔گویا اس تفاوت کا مقصد یہ نہیں۔کہ ایک طبقے کے لوگ دوسرے طبقے والوں کو ذلیل یا کمین خیال کریں، انھیں نیچ ذات سمجھیں اور خود کو اونچی ذات تصور کریں، بلکہ یہ تفاوت محض اس لیے ہے، تاکہ دنیا کا نظام قائم ودائم رہے، دنیا میں سرمائے اور محنت میں ایک توازن اور اعتدال قائم رہے، کیونکہ اگر ان میں سے کسی ایک کا پلہ بھاری ہو جائے، تو اس کا نقصان پورے انسانی معاشرے پر مرتب ہوتا ہے۔امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس نکتے کی

تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :اسی طرح چونکہ انسان مدنی الطبع ہے اور اجتماعی زندگی کے بغیر وہ اپنے لیے لوازم حیات بہم نہیں پہنچا سکتا اور نظام تمدن کا قیام سراسر انسانوں کے باہمی تعاون پر موقوف ہے ،اس لیے ان کو شرائع میں باہمی تعاون کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ سوسائٹی کا کوئی فرد بھی سوائے عذر معقول کے بیکار نہ رہے ۔ ہر ایک آدمی اپنے لیے کوئی ایسا شغل اختیار کرے جو کسی نہ کسی شکل میں نظام تمدن کو بہتر صورت پر قائم رکھنے کے لیے مفید ہو۔اس آخری نکتے کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب رقم طراز ہیں :...........لیکن اگر کوئی آدمی کسی ایسے طریقے پر دوسروں کا مال اپنے قبضہ میں لائے ،جس سے تمدن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور وہ باہمی تعاون کے ضمن میں داخل نہیں مثلاً قمار بازی ،یا کوئی ایسی صورت کہ جس میں کوئی دوسرا شخص اپنا مال بظاہر تو رضا مندی سے دیتا ہے ۔لیکن اس کی حقیقت غصب کے مترادف ہوتی ہے ،مثلاً سود خوری ،کیونکہ قرض لینے والا ،اگر چہ سود دینے کے متعلق اپنی رضا مندی کا اظہار کرتا ہے لیکن وہ مجبور ہو کر ایسا کرتا ہے ،اس قسم کے پیشے (اکساب)شرع کے نزدیک پسندیدہ نہیں اور اس لیے ان کو حرام قرار دیا گیا ہے ،جس کا فلسفہ ظاہر ہے ،یعنی یہ کہ کمانے کے طریقے حکمت مدنیہ (اصول تمدن) کے خلاف ہیں ۔

محنت وسرمایہ میں توازن کا قرآنی فلسفہ:

محنت وسرمایہ میں توازن کے اس قرآنی نظریئے میں بڑی ہی گہری بصیرت پائی جاتی ہے ،وہ اس طرح کہ دور حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ ،ان کا عدم توازن ہے :سرمایہ کار ،،اپنے سرمایہ کے بل بوتے پر ،،محنت کش ,,کی زندگی اور اس کی ،،محنت ,,سے کھیلتا ہے ۔اس کے خون پسینے کو اپنا حق سمجھتا ہے اور اس محنت کا ایک قلیل سا معاوضہ دے کر ،اس کی ہمت واستطاعت سے زیادہ کام لینا ،اپنا فرض منصبی خیال کرتا ہے ،اس کے نتیجے میں ایک سرمایہ دارانہ نظام پیدا ہو جاتا ہے ،جس میں جائز اور ناجائز دونوں طریقوں سے دولت سمٹ سمٹا کر چند لوگوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے ،جو اپنے سرمائے کے بل بوتے پر پوری قوم اور پورے ملک کو لوٹنا اپنا حق سمجھتے ہیں ،اس کے رد عمل کے طور پر دوسرا معاشرہ پیدا ہوتا ہے ،جس سے محنت کش تمام وسائل پر قبضہ جمالیتے ہیں ،اور اس کے نتیجے میں جبر واستحصال کا ایک دوسرا نظام پیدا ہو جاتا ہے جسے سوشلزم یا کمیونزم کہا جاتا ہے ،اس نظام کے تحت محنت کشوں کی ایک بڑی جماعت تمام وسائل معیشت پر قابض ہو جاتی ہے اور تمام محنت کشوں کو ایک

خاص طریقے کے تحت وسائل میں سے حصہ دیا جاتا ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نظام میں ہر شخص کو روٹی کپڑا اور مکان مل جاتا ہے،اور دیگر ضروریات بھی پوری ہو جاتی ہیں۔مگر یہ نظام بھی چونکہ مجموعی طور پر انسانی فطرت کے منافی ہے،اس لیے اس کے ذریعے بھی آہستہ آہستہ وہی خرابیاں اور برائیاں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔جو ایک سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے تحت وجود میں آتی ہیں اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نظام کی تمام تر اساس جبر واستحصال پر ہوتی ہے۔اس کے برعکس اسلام کا عادلانہ نظام دونوں طبقوں کے باہمی ,,رفق وتعاون،،اور باہمی ادب واحترام پر مبنی ہے۔اس نظام کے تحت نہ تو سرمایہ دار کو محض اپنے سرمائے کے بل پر،دوسرے کی دولت کو سمیٹنے کا حق حاصل ہے اور نہ ہی محنت کش کو اجازت ہے کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز کرے۔اسلام محنت کش کو بھی اتنی ہی عزت دیتا ہے،جتنی کہ سرمایہ دار کو حاصل ہوتی ہے،یہی وجہ ہے کہ بلال حبشی کا سا آزاد شدہ غلام مدینہ منورہ میں اسی سماجی حیثیت کا مالک تھا،جس سماجی حیثیت کے ابوبکر وعمر اور دیگر کبار صحابہ حامل تھے۔یہی وجہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ جب حضرت بلالؓ کو بلاتے،سیدی بلال ،،(میرے آقا بلال) کہہ کر بلاتے تھے،صرف یہی نہیں،بلکہ حضرت فاروق اعظمؓ اپنے خادم (سالم) کے متعلق شہادت کے وقت،حسرت کے ساتھ،یہ فرماتے ہوئے سنے گئے،کہ اگر آج سالم زندہ ہوتے،تو میں خلافت ان کے سپرد کر دیتا،،گویا اسلام کی نظروں میں ان میں اور عام مسلمانوں میں کوئی فرق نہ تھا۔(۲)

احادیث نبویہ اور سیرت طیبہ کی روشنی میں:

اسی بنا پر احادیث نبویہ اور سیرت طیبہ میں بھی،قدم قدم پہ انسانی محنت وریاضت کی عظمت کو واضح کیا گیا ہے۔ایک حدیث میں ہے،کہ آپ نے فرمایا: **ما اکل احد طعا ما قط خیر ا من ان یا کل من عمل یدہ وان نبی اللہ داؤد کان یا کل من عمل یدہ** ۔ترجمہ:اس شخص سے،جو خود اپنے ہاتھ کی محنت سے کھاتا ہے،بہتر کھانا کسی شخص نے کبھی نہیں کھایا اور (اسی لیے) حضرت داوٗد نبی علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے کھایا کرتے تھے۔آخری نکتے کی تفصیل بعض تفسیری روایات میں یوں بیان کی گئی ہے کہ:جب حضرت داوٗد علیہ السلام خلیفہ منتخب ہو گئے،تو انہوں نے مروجہ دستور کے مطابق سرکاری خزانے (بیت المال) سے تنخواہ وصول کرنا

شروع کر دی۔حضرت داؤد علیہ السلام کی عادت تھی، کہ وہ ہر روز اپنے سرکاری مکان سے باہر نکلتے ،عوام سے ملتے اور ان سے اپنے متعلق رائے معلوم کرتے ،ہر شخص انھیں تسلی بخش ہی جواب دیتا اور ان کی تعریف ہی کرتا۔مگر ایک شخص (روایات کے مطابق انسانی شکل میں ایک فرشتے) نے انھیں ،جواب میں یہ کہا، کہ ,,داؤد بہت اچھا شخص ہے۔بشرطیکہ ان میں ایک بات نہ ہوتی ،پوچھا،وہ کون سی بات ہے، کہا کہ ,,اگر وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے اپنے لیے روزی تلاش کرتا،اس پر حضرت داؤد علیہ السلام کو تنبیہ ہوا اور اللہ تعالی کی جانب سے زرہ سازی کا فن سکھایا گیا،چنانچہ وہ زرہ بناتے اور اس کی قیمت سے اپنے اور اپنے اہل وعیال کی کفالت فرماتے ،،اسی طرح بعض دیگرروایات میں ہے:**خیر الکسب کسب یدی العامل اذا نصح** ۔ترجمہ:سب سے بہترین کمائی وہ ہے ،جو ایک کارکن (محنت کش) کے دونوں ہاتھوں کے ذریعے حاصل ہو۔جب کہ وہ (مالک کی)خیر خواہی کرے۔نیز فرمایا:تم میں سے کسی شخص کا اپنی کمر پر لکڑیوں کا گٹھا لانا (اور اسے فروخت کرکے اپنے خاندان کی کفالت کرنا)اس سے بہتر ہے۔کہ وہ کسی سے مانگے ،پھر وہ چاہے تو اسے دے یا نہ دے۔ایک دوسرے موقع پر صحابہ کرام کو نصیحت فرمائی۔,,لوگوں سے سوال کرنے سے تو بہتر ہے، کہ وہ شخص ہاتھ میں ایک رسی پکڑے (اور لکڑیاں لا کر اپنے لیے روزی پیدا کرے)۔اسی لیے اسلام میں گداگری اور مفت خوری کی ہر جگہ مذمت کی گئی ہے، کیونکہ اس کے ذریعے دنیا میں ،،حرام خوری ،،کی عادت پیدا ہوتی ہے محنت وریاضت سے راہ فرار اختیار کرنے کا رجحان بڑھتا ہے۔اس کے برعکس نبی اکرم ﷺ نے اہل اسلام کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ وہ چھوٹے سے چھوٹا اور معمولی سے معمولی شغل اختیار کرکے اپنے لیے روزی پیدا کرلیں۔مگر کسی کے سامنے دست سوال دراز کرکے انسان کی عظمت کا مذاق نہ اڑائیں ،اس لیے کہ انسان کی عظمت صرف اس کی محنت میں پوشیدہ ہے ۔جو قومیں محنت ومشقت کو اپنا شعار بنالیتی ہیں ،کامیابی فقط انہی کے قدم چومتی ہے اور جو لوگ کسلمندی اور کاہلی اور مفت خوری کو وطیرہ حیات ٹھہرالیتے ہیں ،قدرت بھی انہیں حالات کے رحم وکرم پر بے یارومددگار چھوڑ دیتی ہے اور یوں ذلت ونکبت ان کا مقدر ہوجاتی ہے۔چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے جب ایک صحابیؓ نے اپنی حاجت بیان کی ،تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے گھر میں کچھ ہے ،تو اس نے کہا کہ فقط ایک پیالہ اور چادر ہے۔آپ نے فرمایا، کہ جاؤ اسے میرے پاس لے آؤ،وہ لے آیا۔تو آپ نے اس کی بولی دی اور دو درہم میں اسے فروخت کردیا۔بعد ازاں

آپ نے ایک درہم سے اسے گھر کے لیے آٹا اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑا خرید کر لانے کا حکم دیا۔اس نے تعمیل کی آپ نے اپنے ہاتھوں سے اسمیں لکڑی کا دستہ فٹ کیا اور پھر فرمایا، کہ جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور بازار میں فروخت کر کے اس سے اپنے لیے روزگار پیدا کرو،، چنانچہ چند ہی دنوں میں اس کے پاس گھر کی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ،، چند درہم نقد موجود تھے۔اس طرح گویا آپ نے عملی طور پر امت کو جتلا دیا کہ ,,محنت،، ایک عظیم وصف ہے، خواہ اس سے کوئی چھوٹا کام کیا جائے، یا بڑا۔اسی طرح کا ایک قصہ مشہور صحابی حضرت حکیم بن حزام بیان کرتے ہیں ۔کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے مانگا، آپ نے مجھے کچھ دیا۔پھر مانگا پھر دیا۔مگر جب میں نے پھر مانگا، تو آپ نے فرمایا: اے حکیم یہ مال (بظاہر) سبز اور شیریں ہے۔جو شخص اسے استغنائے نفس کے ساتھ لےتو اس کے لیےتو اس میں برکت نہیں ہوتی۔حکیم فرماتے ہیں۔کہ میں نے اس پر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آج کے بعد، جب تک میں زندہ ہوں۔کسی شخص سے سوال نہ کروں گا، چنانچہ آنحضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مال غنیمت آتا اور آپ حکیم کو ان کا حصہ لینے کے لیے بلاتے۔مگر حضرت حکیم قبول نہ فرماتے۔پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا۔تو وہ انھیں مال غنیمت میں سے ان کا حصہ وصول کرنے کی دعوت دیتے، مگر حضرت حکیم بن حزام قبول نہ فرماتے۔اس پر حضرت عمرؓ فرماتے: اے اہل اسلام، میں تمہیں گواہ بناتا ہوں، کہ میں نے حکیم کو اس مال غنیمت میں سے حصہ دینا چاہا۔مگر انہوں نے اس سے انکار کیا ہے، اس طرح حضرت حکیم اپنی وفات تک اپنے اس عہد پر قائم رہے۔کہ وہ آپ ﷺ کے بعد کسی سے کوئی سوال نہ کریں گے۔اسی طرح ایک موقع پر آپ نے فرمایا: ,,جو شخص لوگوں سے سوال کرتا ہے، تو وہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہوگی۔اسی بنا پر، بعض روایات میں وارد ہوا ہے۔کہ آپ صحابہ کرامؓ سے اس بات پر بیعت لیتے تھے۔کہ وہ اپنا ہر کام خود کریں گے اور کسی سے سوال نہیں کریں گے چنانچہ مروی ہے۔کہ ان صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں سے گھڑ سواری کے وقت اگر کوئی چھڑی بھی گر جاتی تھی، تو وہ کسی سے مانگنے کے بجائے، خود نیچے اتر کر اٹھاتے تھے۔یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ,,محنت،، کی عظمت کے متعلق احادیث نبویہ میں ہمیں اقوال ہی نہیں، بلکہ آنحضرت ﷺ کی داستان حیات (سیرت طیبہ) سے بھی قدم قدم پر رہنمائی ملتی ہے۔آپ ابھی بچے تھے، کہ اہل مکہ نے آپ ﷺ کو وادی بطحاء میں اہل مکہ کی بکریاں چراتے دیکھا، بخاری شریف

میں ہے، کہ آپ نے فرمایا: **ما بعث الله نبیا الا رعی الغنم فقال اصحابه وانت فقال نعم کنت ارعی علی قراریط لاهل مکة** ۔ترجمہ: اللہ تعالی نے ایسا کوئی نبی نہیں بھیجا۔ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں صحابہؓ نے پوچھا کہ کیا آپ نے بھی؟ فرمایا، ہاں میں بھی اہل مکہ کی بکریاں قراریط (جگہ یا معاوضہ) پر چرایا کرتا تھا۔ آنحضورﷺ کے بچپن اور عہد جوانی میں جب ,,بیت اللہ شریف،، کی تعمیر نو ہوئی تو آپ نے اپنے اجداد (حضرت ابراھیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام) کے طریقے کے مطابق مزدوروں کی طرح بڑھ چڑھ کر اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ پھر اسی عہد میں آپ نے تجارت کو اپنا پیشہ ٹھہرایا اور اس کے لیے سفر کی صعوبتیں اور مشکلات برداشت کیں ۔ان ایام میں آپ نے جن جن علاقوں اور ملکوں کے سفر کئے، ان کی پوری تفصیل تو ابھی بحث طلب ہے۔ تاہم ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بعض مآخذ کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ نے بحری راستے سے حبشہ کا سفر بھی اختیار کیا تھا جس سے سفر کے مصائب و مشکلات کا اور تجارت کے لیے آپ کی محنت و مشقت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی زمانے کی، ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، کی ذاتی شہادت سے یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ آنحضورﷺ اس زمانے میں خود اپنے لیے ہی نہیں، بلکہ دوسروں کے لیے بھی محنت کے عادی تھے، مثال کے طور پر، اس میں یہ الفاظ ہیں: بے شک آپ صلہ رحمی کرنے والے ،مقروض کا بار اٹھانے والے، مفلوک الحال کو کما کر دینے والے اور مشکلات میں دوسروں کی مدد کرنے والے ہیں،، عہد نبوت میں بھی آپ کے محنت و مشقت کے اس معمول میں کوئی فرق نہیں آیا ،چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، کہ جب مدینہ منورہ میں ,,مسجد قبا،، اور ,,مسجد نبوی،، کی تعمیر ہوئی، تو آپ نے بذات خود اس کی تعمیر میں مزدوروں کی طرح کام کیا۔ اسی طرح جب ۶ ھجری میں خندق کھودی گئی، تو اس کی کھدائی میں بھی آپ صحابہ کرام کے ساتھ پوری طرح شریک اور شامل رہے بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے، صحابہ کرامؓ کو خندق کی کھدائی کرتے ہوئے جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تھی، تو وہ نبی اکرمﷺ ہی سے مدد کے طلبگار رہوتے اور آپ کے فولادی ہاتھوں سے پھاوڑے کی ایک ہی ضرب اس مشکل جگہ کو پارہ پارہ کر دیتی تھی۔ اسی طرح دوسرے مواقع پر بھی آپ ہمیشہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ کام کرتے اور مل جل کر کام کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔

گھریلو امور کی انجام دہی:

صرف یہی نہیں، کہ آپ گھر سے باہر صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل جل کر کام کرتے تھے۔ بلکہ آپ اندرون خانہ بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ تعاون کرنے سے بھی دریغ نہ فرماتے تھے۔ آپ کے دیکھنے والوں کا یہ بیان تھا، کہ: **کان یخدم نفسہ** ۔ترجمہ: آپ اپنے کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق آپ گھریلو امور میں اپنی ازواج کا ہاتھ بٹاتے تھے ،مثال کے طور پر کپڑوں پر پیوند لگا دیتے ،گھر میں جھاڑو دے دیتے، دودھ دوہ لیتے ،بازار سے سودا سلف لے آتے ،ڈول درست کر دیتے ،اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے ،غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھ دیتے۔ (ہمارے نزدیک یہ باتیں محل نظر ہیں کہ اہل خانہ حضور کو یہ سارے کام کرنے دیتے ہوں یا آپ کے غلام آپ کو ایسے کام کرتے دیکھتے رہتے ہوں اور ان کے ہاتھ سے لے کر خود کام کرنے نہ لگتے ہوں ......واللہ اعلم بالصواب (مدیر) اسی طرح اگر کوئی جانور بیمار ہوتا ،تو علاج کے طور پر اسے داغ دیتے۔ کوئی چیز قابل مرمت ہوتی ،تو اس کی مرمت فرمادیتے۔ بلکہ اپنے اہل خانہ کے علاوہ دوسرے ضرورت مند لوگوں کے ساتھ معاونت کرنے میں آپ کو کوئی عار محسوس نہ ہوتی ،مثال کے طور پر، اگر کسی صحابی کے شریک جہاد ہونے کی صورت میں گھر میں کوئی ذمہ دار فرد نہ ہوتا ،تو آپ خود جا کر ان کے جانوروں کا دودھ دوہ دیتے ،علاوہ ازیں کسی ادنی سے ادنی شخص کا کام کرنے سے بھی آپ کو احتراز نہ تھا۔ روایات کے مطابق مدینہ منورہ میں ایک نیم دیوانہ باندی تھی، وہ آپ کو راستے میں روک کر کھڑی ہو جاتی ،آپ ہمہ تن متوجہ ہو کر اور راستے میں کھڑے رہ کر، اس کی باتیں سماعت فرماتے رہتے اور اگر وہ کسی کام سے بلانے کے لیے آتی ،تو آپ اس کے ہمراہ چل پڑتے۔

محنت کش افراد کی تعظیم وتکریم:

احادیث نبویہ میں ہمیں آپ کی اور صحابہ کرام کی پر مشقت زندگی کے علاوہ ایسے بھی متعدد واقعات ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ کے ہاں محنت کش افراد کی کتنی عزت تھی۔ امام بخاریؒ نے بعض صحابہ کرامؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک بار ایک قصاب نے آپ کو کھانے کی دعوت دی ،آپ نے قبول فرمالی ،اسی طرح ایک دوسرے موقع پر ایک خیاط (درزی) نے آپ کو کھانے پر مدعو کیا، آپ نے اس کی دعوت کو بھی شرف قبول عطا فرمایا۔ اس روایت کے

راوی حضرت انس ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ: نبی اکرم ﷺ کو ایک خیاط نے کھانے پر مدعو کیا، اس موقع پر میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ اس نے آپ کے لیے روٹی اور سالن تیار کیا تھا، جس میں کدو اور خشک گوشت تھا۔ میں نے دیکھا، کہ آپ پیالے میں سے ڈھونڈ کر کدو تناول فرما رہے ہیں، تو میں اسی دن سے کدو کھانا پسند کرنے لگا۔ اسی طرح ایک خاتون نے ذاتی محنت سے آپ کے لیے کڑھے ہوئے کناروں والی چادر (بردہ) تیار کی، تو آپ نے اسے قبول فرمایا پھر جب ایک شخص نے آپ سے وہ چادر طلب کی تو آپ نے وہی چادر اتار کر اس کے حوالے کر دی، جس نے اس چادر کو اپنے کفن کے لیے محفوظ کر لیا۔ اسی طرح امام بخاری نے نجار (بڑھئی) کے باب میں یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ کس طرح ایک خاتون نے اپنے نجار خادم کے ذریعے آپ کے لیے منبر تیار کیا جس پر آپ نے بیٹھ کر خطبہ دینا شروع کیا، جبکہ اس سے پہلے آپ ایک لکڑی کے ستون (اسطوانہ) سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ امام بخاریؒ ہی ایک مقام پر یہ روایت بیان فرماتے ہیں۔ کہ ایک بار ایک حجام ابو طیبہ نے آپ کی حجامت بنائی، تو آپ نے اسے کھجوروں کا ایک صاع مرحمت فرمایا اور اس کے اہل خانہ سے خراج میں تخفیف کرنے کا حکم دیا۔ ان چھوٹے چھوٹے واقعات سے درحقیقت ان پیشوں کے متعلق اسلام کے اس رویے کا اظہار ہوتا ہے جو، اسلام ان محنت کش افراد کے متعلق امت کو ہدایت کرتا اور تعلیم دیتا ہے۔ اسلام سے قبل بعض ممالک بلکہ خود عرب میں بھی ان ,,پیشہ وروں ,,کو حقیر سمجھا جاتا تھا اور اہل ثروت عموماً ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کو معیوب ہی نہیں ، بلکہ خلاف تہذیب اور خلاف شان سمجھتے تھے۔ ان کا یہ خیال تھا، کہ یہ اہل حرفہ ان کی خاندانی وجاہت اور ریاست کے سامنے، انسان ہونے کے باوجود ہیچ ہیں اور انھیں ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ کہ وہ سرداروں اور رؤساء کی مجالس میں شریک اور شامل ہو سکیں۔ ایسا کسر شان ہی نہیں بلکہ اپنی توہین سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ روسائے مکہ محض اس لیے آپ کی مجالس میں شرکت نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ بقول ان کے، یہاں معاشرے کے غریب اور مفلوک الحال محنت کش طبقہ کے لوگ ان کے برابر میں بیٹھتے تھے، ایک بار آپ نے ایسے صحابہ کو رؤسائے مکہ کی خاطر اپنی مجلس سے اٹھانا چاہا۔ تو اللہ تعالی نے وحی کے ذریعے آپ کو اس سے منع کر دیا۔ اس پس منظر میں نبی اکرم ﷺ کے مذکورہ بالا اقوال اور افعال کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ اس دور کے اعتبار سے آپ کا یہ طرز عمل بلاشبہ زمانے کی سوچ کے قطعاً منافی اور مکمل طور پر ایک انقلابی تھا۔ سیرت طیبہ کے ان روشن واقعات سے

مترشح ہوتا ہے۔کہ اسلام کی نظروں میں محنت کش افراد کا مقام کتنا بلند ہے۔کہ پیغمبر اعظم ﷺ نہ صرف ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے رہے۔بلکہ ان کی دعوت کو نہایت رغبت اور شوق کے ساتھ قبول فرماتے تھے۔جس سے ان کے بلند درجے اور رتبے کا واضح اشارہ ملتا ہے۔

تاریخ اسلام کے حوالے سے:

اسلام کی انہیں تعلیمات کا اثر تھا کہ اہل اسلام نے ہمیشہ محنت کش طبقوں کو وہ عزت اور وہ احترام دیا، جو دنیا کے کسی بھی ملک اور کسی بھی قوم میں انہیں حاصل نہ تھا۔اسی بناپر اسلام کی تاریخ ایسے لوگوں کے ذکر سے بھری پڑی ہے، جو اپنے اپنے ملک اور معاشروں میں محنت کے ذریعے اپنے لئے روزی پیدا کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ علم وعرفان میں بھی دستگاہ کے حامل تھے۔ہمارے سامنے اس وقت مشہور تذکرہ نگار ابن خلکان کی وفیات الاعیان (آٹھ جلدیں) الصفدی کی الوافی بالوفیات (۹جلدیں)، محمد بن شاکر الکتبی کی فوات الوفیات اور عمر رضا کحالہ کی معجم المؤلفین (۱۵مجلدات) جیسی مشہور زمانہ تصانیف ہیں۔ان کتابوں میں معاشرے کے ان طبقوں کو جس طرح نمائندگی دی گئی ہے، اور جس طرح ان کے حالات تعظیم وتکریم کے پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں، یہ مختصر سی تحریر اس کی تفصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں رکھتی۔تاہم مختصر طور پر یہ بیان کیا جا سکتا ہے۔کہ ان کتابوں میں تقریبا معاشرے کے تمام طبقے ہی شامل ہیں۔مثال کے طور پر البدوی (دیہاتی)، البزاز (کپڑا فروش)، البستانی (مالی) البقال (سبزی فروش) البیطار (جانوروں کی نعل بندی کرنے والا)، التبان (بھوسا بیچنے والا) التمار (خرما فروش)، کھجوروں کا سوداگر، التیان (انجیر فروش)، الجبان (پنیر فروش)، الجراح (جراح)، الجلاب (غلاموں کی تجارت کرنے والا)، الجلاد (جلاد) الجندی (لشکری)، الجزار، (ذبح کرنے والا، قصائی)، الحباک (کاریگر جولاہا)، الحبال (رسی بنانے یا رسہ بیچنے والا) الحداد (لوہا کوٹنے والا)، الحریری (ریشم کا کاروبار کرنے والا)، الحشاش (گھاس جمع کرنے والا) الحطاب (لکڑہارا، لکڑیاں چننے والا)، الحلاق (نائی، حجام) الحلاج (جولاہا)، الحلوائی (مٹھائی فروش)، الخادم (نوکر)، الخازن (خزانچی)، الخباز (روٹی پکانے والا)، الخراط (خراد کا کام کرنے والا)، الخصاف (موچی)، الخشاب (لکڑی بیچنے والا)، الخلال (سرکہ فروش)، الخواص (کھجور کے پتے فروخت کرنے والا)، الدباس (شیرہ بنانے یا شیرہ بیچنے والا)، الدباغ (چمڑہ رنگنے

والا)، الدلال (دلالی، کرنیوالا مختلف تجارتی فرموں یا کاروباری اداروں کا ایجنٹ)، الدقاق (آٹا بیچنے والا)، الزقاق (مشک بنانے والا) الزیات یا الزیاتی (تیلی، تیل فروش)، الساعاتی (گھڑی ساز)، السمان (گھی فروش)، الصائغ (زرگر، سنار)، الصباغ (رنگ ریز)، الطباخ (روٹی پکانے والا)، الطبیب (حکیم، معالج)، العلاف (کھسیارا)، الفلاح (کسان)، القطان (روئی کا کام کرنے والا۔ وغیرہ۔

الغرض مسلمانوں کی تمام کتب تذکرہ وسوانح میں، مذکورہ بالا طبقوں اور پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو اسی ادب واحترام اور اسی تعظیم وتکریم کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ جس طرح کہ اونچی ذات اور اعلی پیشہ کے حامل افراد، کتاب کا حصہ ہیں۔ جس سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے، کہ اسلام میں ,,محنت کشوں،، کو ان کے پیشے یا طبقے کے علی الرغم، نہایت اعلی وارفع حیثیت دی گئی ہے اور کسی جگہ بھی کسی محنت کش کو محض اس لیے نظر انداز یا کمتر نہیں قرار دیا گیا کہ اس کا تعلق فلاں طبقے کے ساتھ ہے اور فلاں کے ساتھ نہیں ہے۔ اسلام کا یہ تصور ,,مساوات انسانی،، ,,نظریہ عظمت محنت،، دور جدید کے نظریات وافکار پر بہت نمایاں طور پر اثر انداز ہوا ہے۔ اسلام کے سوا دنیا کے تمام مذاہب اور تمام اقوام میں سماجی اور معاشرتی اونچ نیچ پائی جاتی تھی، ہر قوم میں کچھ لوگ پیدائشی طور پر محض اس لیے قابل تعظیم وتکریم سمجھے جاتے تھے، کہ ان کی پیدائش ایک اعلی خاندان میں ہوئی تھی اور بعض لوگ محض اس لیے کم تر سمجھے جاتے تھے۔ کہ ان کی آنکھ کسی غریب اور کسی چھوٹے طبقے کے گھرانے میں کھلی تھی۔ دونوں کے مابین پایا جانے والا یہ تفاوت، ان کی پوری زندگی پر حاوی رہتا تھا، مگر اسلام نے آکر، سب سے پہلے اس تفریق کو ختم کیا اور دنیا کو مساوات انسانی اور محنت کی عظمت کا درس دیا۔ مسلمان جہاں بھی پہنچے، ان کے یہ تصورات ان کے ہمراہ پہنچے اور ان تصورات وافکار نے بہت سی اقوام کو اپنا گرویدہ کرلیا اور دنیا کے مظلوم طبقوں کو اسلام کے سائبان تلے۔ اپنی صدیوں کی محرومیوں اور مظلومیوں کی تلافی کرنے کا موقعہ ملا، اسی لیے مسلمانوں کے ہاں علم سے لے کر، نوکری، ملازمت اور تجارت وغیرہ کے تمام مواقع تمام انسانی طبقوں کے لیے کھلے تھے، اسی بنا پر مندرجہ بالا افراد میں سے بعض دینی مدارس کے مدرس بنے، بعض نے قاضی اور جج کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیے۔ ان میں سے بعض اہم قومی ذمہ دارانہ آسامیوں پر فائز رہے۔ کچھ فقیہ اور مفتی کی حیثیت سے اور بعض ایماندار تاجروں کی حیثیت سے معروف ہوئے۔ یوں مسلمانوں نے اپنے

افکار اور نظریات کو عملی طور پر اختیار کر کے دنیا کو ان موضوعات پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی۔ بالآخر جب دنیا میں دور جدید کا آغاز ہوا اور دنیا میں ,,تہذیب جدید،، کا غلغلہ اٹھا، تو ساری دنیا کی اقوام نے اسلام ہی کی عطا کردہ رہنمائی کو قبول کیا اور ساری دنیا کے انسانوں کو ایک دوسرے کے مساوی تسلیم کیا اور انھیں یکساں مواقع دینے اور مہیا کرنے کا عہد کیا۔ اس طرح دنیا نے تہذیب جدید کے حوالے سے ہی سہی، اس مسئلے میں مکمل طور پر اسلامی ہدایات کو قبول کیا اور اپنے اپنے ملکوں میں اس پر عملدرآمد کا اہتمام کیا۔ فی لوقت یورپ میں ,,محنت کش،، افراد کو جو تعظیم وتکریم حاصل ہے، اور ان کے خلاف امتیازی قوانین جس طرح ختم کیے جا چکے ہیں یا ختم کیے جا رہے ہیں، یہ سب کچھ اسلامی تعلیمات ہی کا اثر اور نتیجہ ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے۔ جو شروع سے اس اونچ نیچ کا سختی سے مخالف رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ فی الوقت اسلامی ممالک میں قدیم مشرکانہ اثرات کے تحت ابھی محنت کشوں کو ان کا وہ جائز مقام نہیں مل سکا، جو انھیں یورپ کے بعض ممالک میں حاصل ہے۔

دور جدید میں محنت اور اجرت بطور عامل پیدائش کا مسئلہ:

اسلام نے انسانی محنت کو ایک جائز عامل پیدائش کے طور پر تسلیم کیا ہے اور اس بات کی اجازت دی ہے۔ کہ کوئی شخص محنت کر کے، اس کا معاوضہ (اجرت) قبول کرے، تاہم محنت اور اجرت کا یہ اسلامی تصور موجود مغربی ,,محنت و اجرت،، کے رائج الوقت نظریئے سے یکسر مختلف ہے۔ مغربی تصور معیشت میں محنت بھی اسی طرح کی ایک قابل فروخت شئی ہے، جس طرح کہ دوسری بے جان اشیا۔ منقولہ ہوں۔ کہ غیر منقولہ۔ گویا ان کے ہاں آجر اور اجیر، باہمی طور پر سوداگر اور گاہک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آجر (سرمایہ دار) کو جتنی بھی محنت درکار ہوتی ہے، وہ اسے مزدوروں کی منڈی سے حاصل کر لیتا ہے، جب تک اس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اسے اپنے پاس رکھتا ہے، مگر جب اسے اس کی ضرورت نہیں رہتی ہتو وہ اسے فارغ کر دیتا ہے، بنیادی طور پر یہ ایک غیر اسلامی اور غیر اخلاقی نظریہ ہے، جو انسانی عظمت وشرافت کے منافی اور انسانی تحقیر پر مبنی ہے۔ اس میں محنت کو انسان سے جدا کر کے، اسے فقط ایک عامل پیدائش کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے، جب کہ اسلام مکمل طور پر انسانی شرف ووقار کو بنیادی حیثیت دیتا ہے، آجر واجیر کا تعلق باہمی گاہک اور دکان دار کا نہیں

، بلکہ دو بھائیوں ، دو دوستوں اور دو مہربانوں جیسا ہے ، جن کے مابین باہمی ادب واحترام اور تعاون وترافق کی فضا قائم رہتی ہے ۔ اسلام اجیر کو اس کی محنت سے جدا کرکے ۔ محض ایک محنت کرنے والی بے جان چیز کے طور پر نہیں دیکھتا ، بلکہ وہ اسے ایک ذی روح اور ذی ایمان انسان کے روپ میں میں نمایاں کرتا ہے ، جس کی حیثیت معاشرے میں اتنی ہی مستحکم ہوتی ہے ۔ جتنی کہ آجر (سرمایہ دار) کی ۔ کیونکہ اسلام میں محنت اور سرمایہ دو برابر کے عوامل ہیں ، جن میں سے کوئی بھی فریق دوسرے پر فوقیت نہیں رکھتا ۔ نہ تو سرمایہ دار (آجر) کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس جگہ سے چاہے اور جس قیمت پر چاہے ۔ محنت خریدے اور نہ محنت کش (اجیر) کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ عہد و پیمان ہو جانے کے بعد ، امانت میں خیانت یا بد عہدی کرے ۔ اسلام نے دونوں پر یہ لازم کیا ہے ۔ کہ وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں اور ایک دوسرے کی بدخواہی ہرگز نہ کریں ۔ اسی لیے اسلام میں سرمایہ دار کا یہ بھی اخلاقی فریضہ ہے ۔ کہ وہ محنت کش کے لیے ، کام کرنے کے مقام پر ، گرمی سردی سے بچاؤ اور اس کی جان کی حفاظت کا مناسب تحفظ کرے اور ناخوشگوار اور مشکل کاموں میں اس کی اعانت کا بندوبست کرے ، دوسری طرف اجیر کے لیے بھی لازم ہے ۔ کہ وہ مقررہ وقت میں ہی کام مکمل کر دے اور کام چوری کرکے ، وقت ضائع نہ کرے ۔ جہاں تک محنت کش کی اجرت کے تعین کا تعلق ہے ، تو اس سلسلے میں اسلام محنت کش کی کفالت کے نظریئے کو اساسی اہمیت دیتا ہے ، یعنی یہ کہ اجرت اتنی ہونی چاہیے ، کہ جس اجرت کے ذریعے محنت کش سرمایہ دار کی طرح اپنی ضروریات زندگی پوری کر سکے ، یہ نہیں کہ بس سد رمق ، اس کا سانس چلتا رہے ، اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے :" یہ (غلام ۔ نوکر ۔ مزدور) تمہارے بھائی ہیں ، انھیں ویسا کھلاؤ جیسا تم خود کھاتے ہو ۔ ویسا پہناؤ ، جیسا خود پہنتے ہو ۔

اسلامی کتب خانہ میں ایک خوبصورت اضافہ آسان زبان میں

دینی مسائل

فقہ حنفی کے امام ، امام المنبجی کی معروف کتاب ..... اللباب فی الجمع بین السنة والکتاب کا

اردو ترجمہ شائع ہوگیا

☆ من استعجل الشئي قبل اوانه عوقب بحرمانه ☆